علم جرح وتعدیل میں ابن عبد البر کا منہج: تجزیہ وبیان

Methodology of Ibn Abd al-Barr in 'Ilm ul-Jarḥ-e-wa-Ta'dīl: Analysis and Description

DOI: 10.5281/zenodo.8021547

**Dr. Yasir Farooq*

Abstract

The principles that the Muḥaddithīn set up to examine the circumstances of the narrators and rule on them are called 'Ilm al-Jarḥ wal-T'adīl. And 'Ilm al-Jarḥ wal-T'adīl is considered half of the knowledge of Ḥadith, because it is a great knowledge whose accuracy, precision as well as breadth and coverage cannot be exemplified by any encyclopedia. In this article, Allama Ibn Abd al-Barr's method is being presented for the research of 'Adalah of narrators, Jahālah and their unanonymous identifications. Allama Ibn Abd al-Barr's style of research and reasoning is based on the Quran and Sunnah and following it is evidence. They do not accept anyone's ijtihād in comparison to the Quran and the Sunnah, Ijmā' and Qiyāe-Ṣaḥīḥ, no matter how great a religious scholar he may be. And whoever is related to the religion, yes, his method in refuting popular sayings is purely scholarly and fair. In his opinion, the absence of cross-examination or any other defect in the narrator does not prove the judgment of the narrator, and gender is also important in the process of memorization. In order to take ḥadith from such a person, we believe in the necessary ijtihād. In this regard, this paper presents the best narrative analysis.

Keywords: *Ḥadīth, 'Ilm al-Jarḥ wal-T'adīl, Allama Ibn Abd al-Barr, Ḥadīth Narrators, 'Adalah, Jahālah.*

تعارف موضوع:

امت مسلمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ شریعت کے تمام علوم سند کے ذریعے سے اپنے قائل سے مربوط ہیں۔ یہ خصوصیت کسی اور امت میں نہیں پائی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کے علوم کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک وشبہات باقی رہتے ہیں۔ سند ہی وہ ذریعہ ہے جس سے کسی بھی خبر یا واقعہ کی تصدیق کی جاسکتی ہے جس کے لیے علمِ جرح وتعدیل کی بنیاد رکھی گئی۔ اس علم میں امام ابن عبد البرؒ نے راوی کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کے جو قواعد مقرر کئے ہیں ان کا ذکر مقالہ ہذا میں مقصود ہے اور ان کے ہاں صحت وسقم کا پیمانہ اور میعار کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوسکے کہ امام ابن عبد البر کا شمار کس طبقہ میں ہوتا ہے یعنی معتدل، متساہل یا متشدد؟

محدثین نے راویوں کے حالات کی جانچ اور ان پر حکم لگانے کے لئے جو اصول مرتب کیے انہیں "علم الجرح والتعدیل" کہا جاتا ہے۔ اور "علم الجرح والتعدیل" کو علم الحدیث میں آدھا علم قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ایک ایسا عظیم الشان علم ہے جس کی دقت، باریک بینی کے ساتھ ساتھ وسعت اور احاطہ کی مثال کوئی بھی انسائیکلوپیڈیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔

....

**Lecturer, Department of Islamic Studies, Ghazi University, Dera Ghazi Khan, Pakistan. yfarooq@gudgk.edu.pk*

علم جرح وتعدیل کی تعریف درج ذیل ہے:

"یہ وہ علم ہے جس میں راویان حدیث کی مخصوص الفاظ کے ذریعے جرح وتعدیل بیان کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب واضح کیے جاتے ہیں"[1]

امام ابن عبد البر کا تعارف:

آپ کا مکمل نام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری الاندلسی القرطبی المالکی تھا۔[2] اور آپ قرطبہ میں 368ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے شاگرد طاہر بن مفوز کا بیان ہے، میں نے شیخ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے والد صاحب کی تحریر کے مطابق میں 368ھ ربیع الآخر کی 25 تاریخ کو جمعہ کے دن پیدا ہوا، جب امام خطبہ دے رہا تھا۔[3] امام صاحب کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، آپ کے والد گرامی عبد اللہ اور جد امجد محمد دونوں ہی وقت کے علماء میں شمار ہوتے تھے، اسی لیے صغر سنی میں ہی طلب علم کی طرف متوجہ ہوگئے، کبار علماء سے کسب فیض کیا، گو اندلس سے باہر نہیں گئے، لیکن قرطبہ وغیرہ میں آنے والے اکابرین اہل حدیث سے خوب خوب استفادہ کیا۔[4] حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"آپ نے تقریبا 380 میں جبکہ حافظ بغدادی ابھی پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے، علم حدیث حاصل کرنا شروع کر دیا تھا"

ابھی آپ صغر سنی میں ہی تھے کہ پہلے والد گرامی اور پھر دادا جان وفات پاگئے، اس لیے محسوس یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں سے باقاعدہ درس نہیں لے سکے، البتہ وقت کے کبار علماء کرام آپ کے اساتذہ کرام میں شمار کیے جاتے ہیں، جیسا کہ اَبو الولید ابن الفرضی م 403ھ، اَبو القاسم ابن الدباغ م 430ھ، اَبو عمرا لطلمنکی م 429ھ، اور ابو الید الباجی م 476ھ وغیر ہم۔[5] آپ کے تلامذہ میں بھی ابن حزم م 456ھ، اَبو عبد اللہ الحمیدی م 473ھ، اَبو علی الغسانی م 498ھ جیسے جلیل القدر نام شامل ہیں۔ مختلف علوم وفنون میں آپ کی تصنیفات وتالیفات کی لمبی چوڑی فہرست ہے، جن میں سے چند مشہور درج ذیل ہیں، موطا کی شرح التمہید، الاستذکار لمذاہب علماء الاَمصار، الاستیعاب فی معرفۃ الاَصحاب، علم کی فضیلت واہمیت میں جامع بیان العلم وفضلہ، الِانباہ عن قبائل الرواۃ اور الانتقاء لمذاہب الثلاثۃ العلماء۔

علم جرح وتعدیل میں ابن عبد البر کا منہج:

ذیل میں علامہ ابن عبد البرؒ کا رواۃ میں عدالت کی تحقیق کے لیے منہج پیش کیا جارہا ہے؛

ابن عبد البر کا عدالت کے بارے میں مؤقف:

راوی کی عدالت کے بارے میں ابن عبد البر کی رائے اِمام شافعی اور ابن حبان کی رائے کے قریب تر ہے اور جو ذکر کیا گیا کہ اُس یعنی راوی میں سلامتی کا اعتبار کیا جائے کہ اُسکی اچھائیاں اُس کی برائیوں پر غالب ہوں تو ایسے شخص کو عادل راوی تصور کیا جائے گا۔ جس طرح ہم نے دیکھا کہ اتہام یعنی بدعات کو قبول کرنے میں بہت سخت ہو یعنی جو بعض رواۃ ہوتا ہے کذب وغیرہ میں پس ایسا شخص جس

میں اتہام ہو تو ایسا شخص صحت عدالت کو نہیں پہنچے گا مگر یہ کہ اُس کی عدالت کے اوصاف واضح ہوں اور اُن میں کوئی غموض وغیرہ نہ ہو۔ ابن عبد البر نے فرمایا کہ جو شخص ارادہ کرتا ہے کہ ثقہ، اثبات علماء کا قول قبول کرے بعض میں سے کچھ کا تو وہ قول قبول کرے جو ہم نے ذکر کیا ہے صحابہ کے بعض اقوال میں سے اگر وہ ایسا کرتا ہے یعنی بعض صحابہ کا قول قبول کرکے اور بعض کا چھوڑ دے تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ اور کھلے گھاٹے میں ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو ہرگز ایسا نہ کرے کیونکہ بے شک اللہ نے سب کو ہدایت دی ہے اور جس کی طرف ہدایت الہام کی ہے تو وہ اُس پر ٹھہر ا ہے جو شرائط ہم نے ذکر کی ہیں کہ جس شخص کی صحت عدالت نہ ہو اُس کا قول قبول نہ کرے اور اُسی شخص کا قول قبول کیا جائے گا جسکی عدالت ٹھیک ہو اور اُس پر علم کی عنایت ہو کبائر سے مجتنب ہو۔ مروت اور تعاون کو لازم پکڑے اور اُسکی خیر اُس کے شر پر غالب ہو۔ لیکن ایسے شخص کا کوئی قول قابل قبول نہیں ہے جس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہی حق ہے روایت کو قبول کرنے میں اس کے علاوہ اللہ عزوجل کی مشیت کے ساتھ کچھ صحیح نہیں ہے۔[6]

اُن کے پاس ذکر کیا ابن عباس کے مولیٰ نے اور اُس شخص نے بھی جس نے اُس سے روایت کی ہے کہ بے شک انہوں نے رمی کیا جھوٹ اور حروریت والے شخص کو۔ ابو عبد اللہ مروزی کہتے ہیں کہ ایسا شخص جس کی عدالت روایت اہل علم کے نزدیک پختہ ہو جائے اور وہ اُس سے حدیث بھی لیتے ہوں تو ایسے شخص کے لیئے کسی جارح جرح کی کوئی حثیت نہیں رکھتی ہے یہاں تک کہ اُس کی جہالت عدل کا کوئی امر ثابت نہ ہو۔ لیکن لوگوں کے اقوال کہ فلاں کذاب ہے تو ایسے شخص کے لئے بھی کوئی جرح نہیں ہے یہاں تک کہ جو اُس نے کیا اُسکی وضاحت ہو جائے۔ اُن کے پاس ابن عباس کے مولیٰ مکرمۃ نے ذکر کیا ہے اور اُس شخص کا بھی جس نے اُن سے روایت کی اور اُس شخص کی عدالت پہ بھی ذکر کیا ہے۔ ابو عبد اللہ المروزی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی عدالت اھلِ علم کے نزدیک اُس کی روایت سے ثابت ہو جائے۔ اُس شخص کے بارے میں کسی جارح کی جرح کو قبول نہیں کیا جائے گا جب تک اُس میں کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جس سے اُس پر جرح کرنا لازم آتا ہو۔ لیکن قول اہل علم کا کہ فلاں کذاب ہے ایسا قول جس سے جرح ثابت نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ اُس سے صاف ظاہر ہو جائے جو وہ کہہ رہا ہے۔[7] پھر اس کے بعد ابی عبد اللہ کا یہی قول لایا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> فقہاء اور ائمہ محدثین کی ایک جماعت جو فقہ میں بصارت رکھتے ہیں اُس کے نزدیک اس قول میں نظر یعنی شبہہ ہے وہ نظریہ ہے کہ ابن معین اور اِن جیسے دوسرے لوگ جو علم میں مشہور ہیں اور لوگوں کے درمیان جانے بھی جاتے ہیں اور عدالت کے اعتبار سے بھی ٹھیک ہیں لیکن اگر کوئی ایسی وجہ ظاہر ہو جائے جو جرح کا سبب بنتا ہو اور عدالت کی شہادت اور فہم میں عدل ہو۔[8]

علاء بن عبد الرحمان کے ترجمہ میں کہا ہے کہ ابن معین کے قول میں کوئی چیز نہیں احمد بن زھیر کہتے ہیں میں نے یحیٰ بن معین سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ علامہ ابن عبد الرحمان سے حدیث لینے سے لوگ بچتے تھے ابو عمر کہتے ہیں بہت شعری لوگ اِن کی حدیث سے اتقاء کرتے تھے اور اِن سے کثیر ائمہ اِجلتہ اور اِن کے علاوہ جماعت کثیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔[9] اور اِن سے روایت کرنے والوں میں مالک، شعبہ، ثوری اور ابن عیینہ شامل ہیں اور آگے کہتے ہیں محمد بن حسین ازدی موصلی نے گمان کیا ہے کہ ابو بکر بن اویس

نے سیلمان بن بلال سے حدیث لی ہے ابو عمر کہتے ہیں یہ تحامل میں سے ہے اور ظن والے قول پر کذب کا احتمال ہی کیا جائے گا۔[10] ابن عبد البر متحرج کثیر ہیں اِس مجال میں اوران کی بحث عنقریب آجائے گی جس میں ایسے کثیر تہمات کی وجہ سے رد کیا گیا ہے عدم ثبوت اور تاویلوں کی وجہ سے بھی اِسی لئے عدالت راوی پر تہمت کی نفی کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس منہج کو علامہ ابن عبد البر نے اور اِن کے علاوہ ناقدین نے اختیار کیا ہے اِس بارے میں کتب رجال کے مطالعہ سے یہ مباحث واضح ہوتی ہیں جو راوی کی صحت عدالت اور اُس کی علمی پہچان کے متعلق ہیں پس وہ شخص جس کی اچھائی اُس کی برائیوں پر غالب ہو جس طرح سے علامہ ابن عبد البر نے تعبیر کیا ہے اور ابن حبان کے نزدیک یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت کے اکثر احوال اُس کی عدالت کی علامت ہو تو اُس شخص کے بارے میں کسی جارح کا قول قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ کوئی واضح اور بین ثبوت اُس کی عدالت کے خلاف مل جائے جس ثبوت میں رد اور تاویل کا احتمال نہ ہو۔ علامہ کہتے ہیں میں نے ابی عمر کا کوئی مختص طریقہ ایسا نہیں دیکھا ہے کہ جس میں صحت عدالت اور صحت نسب اختیار کیا گیا یعنی تو ہم سے سوائے اِس کے کہ جو عدالت کا مفہوم اُن پہ واضح ہوتا ہے وہ بھی یہی ہے کہ راوی کی اچھائیاں اُس کی برائیوں پر غالب ہوں اور اُس کے نقاص اُس کی فضیلت کی وجہ سے رفع ہو جائیں اِسی کی صریحاً وضاحت کی گئی ہے۔ عملی طور پر ابن حبان، احمد بن صالح المصری کے ترجمہ میں صفات کبر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور محدث احمد حدیث کی معرفت حفظ حدیث تاریخ اور اسباب محدثین مصری احمد بن حنبل عراقی مثل ہی ہیں اور صحت عدالت اور کثیر رعایت سنن، اختیار، اور اِن میں تفقہ یہی ہے کہ نہ جرح کی جائے جس میں عدالت صحت کے اوصاف پائے جائیں اور ایسا شخص جو لوگوں میں پائے جانے والے عیوب سے عاری ہو یا اُس کی کوئی ایسی بات نہ ہو جس کی وجہ سے اُس پر کوئی عیب لگایا جائے۔ تو ایسے راوی کی روایت کو قبول کیا جائے گا اور یہی ذکر اِمام سبکی نے بھی کیا ہے کہ جارح کی جرح اُس راوی شخص کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی جس کی اطاعت اُس کی معصیت پر غالب ہو۔ اُس کی تعریف اُس کی مذمت پر غالب ہو، اُس کی پاکیزگی اُس کے عیوب پر غالب ہو تو جس شخص میں یہ اوصاف ہوں تو اُس کے بارے میں عقل بھی گواہی دیتی ہے کہ اِس سے واقعہ کہ دلیل لینا کوئی حرج نہیں۔ ہاں یہ کہ اِس میں تعصب مذہبی کسی اعتبار سے نہ ہو۔[11]

یہاں پر بعض ائمہ کے نزدیک ایک تیسرا نقطہ بھی ہے کہ جس کی صحت عدالت ہو اور اُس پہ نسب بھی افعال کے اعتبار سے واضح ہو تو کیا ایسا شخص قدوۃ اور اجتہاد کے مقام پر آسکتا ہے کہ نہیں۔ امام ذھبی اللیث بن سعد کے ترجمہ میں اور یحییٰ بن معین بھی کہ وہ شیوخ اور روایت کے سماع کے معاملہ میں تساھل کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ اگر بے شک بحث کا ذکر اُس کے بارے میں نہ ہوتا تو میں ہر گز اِس کو ذکر نہ کرتا کیونکہ اِس میں مالک اور سفیان کے کوئی قول نہیں ہے اور جس میں لیث تساہل کیا ہے تو پس یہ دلیل ہے اُس کے قدوہ ہونے پر۔[12]

اور ابن حجر، حسن بن صالح الھمدانی الثوری کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ اس کی مذکورا مثل یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت ثابت ہو جائے اُس کا ورع تام، حفظ اور اتقان بھی ثابت ہو جائے تو اُس پر کسی قسم کی قدح یعنی جرح نہیں کی جائے گی اور حسن بھی اُسی سے

اتفاق کرتے ہیں اور وہ کسی بھی شرط کو اِن میں سے خارج نہیں کرتے لیکن ترک جمعہ اِس میں جملہ روایت ہے پر وہ کسی فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھتا ہو۔ کیونکہ فاسق کی اِمامت صحیح نہیں ہے۔ اور یہی بات ہے جس سے حسن نے بھی اعتراز کیا ہے اور اگر صوابمر اداکثریت رائے اِس کے خلاف ہو تو وہ اِمام مجتہد ہے۔[13]

یہاں ایک قسم رواۃ میں ایسی بھی ہے جس کی عدالت ثابت نہ ہو اُن کے بارے میں ابن عبد البر کا کیا منہج ہے اِس بارے میں جو میرے نزدیک رائے ہے کہ ایسے شخص پر ضعیف کا اعتبار نہ کیا جائے کا یہاں تک کہ وہ بعض منکر چیزوں کا قائل نہ ہو بلکہ اُن کے معاملہ میں اختیار کیا جائے گا اور اُن کی احادیث لینے میں توقف ہو گا۔ اُس بارے میں اجتہاد کا معاملہ مقرر کیا جائے گا اور فرمایا کہ ایسا شخص جس کی نہ تو امامت ثابت ہو نہ اُسکی عدالت جانی گئی ہو اور حفظ اور اتقان روایت کسی عدم صحت کے بارے میں تو اُس میں اہل علم کی رائے پر اتفاق کیا جائے گا اور اُس سے قبول روایت کے سلسلے میں اجتہاد کیا جائے گا۔[14] اور داؤد بن خالد بن دینار کہتے ہیں کہ:

ایسے شخص کی کسی نے جرح ذکر نہیں کی ہے اور نہ ہی ائمہ حدیث میں سے کسی نے کچھ نقل کیا ہے اور نہ انکار کیا ہو۔[15]

ابن حجرؒ اِس بارے میں کہتے ہیں اُن کے صدق کا اعتبار کیا جائے گا ایسے شخص سے صرف ایک حدیث لی گئی ہے، جس طرح ابن مدینی کہتے ہیں۔[16]

عبد اللہ بن مول کہتے ہیں کہ ایسا شخص سورِ حفظ کا مرتکب ہونے کیوجہ اِس کی روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اگر ایسی کوئی خرابی نہ ہو جو اُس کی عدالت کو ساقط کرتی ہو تو ایسے شخص سے اجلتہ علماء کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ اور اِسی وجہ سے اُسکی صحت عدالت رفع نہ ہو گی اور اُس سے حدیث ساقط نہ ہونے کیوجہ میں ہی اضطراب ہے۔[17] عبد الملک بن بدیل سے کہا گیا ہے کہ: اُس کا صنف اُس کے حالات کے ذکر سے ہے اور اُس سے جو بھی خبر آئے منکر ہو گی اِسی لئے ابن عبد البر بھی کہتے ہیں کہ وہ مالک کی حدیث میں غریب اور غیر محفوظ ہے۔ عبد الملک بن بدیل کے نزدیک حمل علم کیوجہ سے اُس کی شہرت نہ ہو گی۔ اور نہ اُس کے بارے میں جرح کی کوئی بحث ملتی ہے تو واجب ہے کہ ایسے شخص کی روایت کو رد کر دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام:

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کے نزدیک عدالت قبول روایت کے سلسہ میں بنیادی امر ہے۔ اور ضبط بھی راوی سے قبول روایت میں بہت اہم ہے کہ دونوں امور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ اور جرح یا کسی اور عیب کا نہ پایا جانا راوی کی عدالت کو ثابت نہیں کرتا ہے اور حفظ کے سلسلہ میں صنف بھی ضروری ہے اِس بارے میں ابن عبد البر مکمل طور پر ایسے شخص کی روایت کو ساقط نہیں کرتے ہیں بلکہ ایسے شخص سے حدیث لینے کے سلسلہ میں حسب ضرورت اجتہاد پر انقاد کرتے ہیں۔

ضبط میں ابن عبد البر کا منہج:

ذیل میں علامہ ابن عبد البرؒ کا رواۃ کے ضبط کی تحقیق کے لیے منہج پیش کیا جا رہا ہے؛

ابن عبد البر اور دیگر محدثین کے نزدیک ضبط میں فرق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ راویوں کے ضبط میں فرق ہوتا ہے۔ اس کی واضح دلیل نقاد کا عمل ہے۔ راویوں کی روایات کی تحقیق اکثر ان کے ضبط کے بنا پر کی جاتی ہے اور ان مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس میں اس کو وہم ہوا یا ضبط متاثر ہوا۔ احادیث کو صحیح، حسن، ضعیف کا درجہ دینا در اصل راویوں کے ضبط کے کم اور زیادہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم کی کتب بھی باقی کتب احادیث پر اس لیے مقدم ہیں کہ انھوں نے کمزور ضبط کے راوی کو لیا ہی نہیں یا صحیح ضبط والے راوی کو ضعیف ضبط والے راویوں پر مقدم کیا ہے۔ اسی طرح اسانید کے اندر بھی ہے۔ چاہے وہ ملکوں کے متعلق ہو یا شیوخ کے متعلق ہو۔ بعض روایات کو دوسری روایات پر مقدم کرنا بھی در اصل راویوں کے ضبط اور اتقان حافظے کی وجہ بنا پر ہوتا ہے۔ یہ ساری کی ساری دلیلیں راوی کے ضبط ہونے کی۔ ائمہ کرام نے جرح وتعدیل کے مراتب بیان کرنے میں، رواۃ کے فرق کرنے میں اور احادیث پر حکم لگانے میں ضبط کو ہی مد نظر رکھا ہے۔ ضبط کے مراتب، معنی کو واضح کرنے والے عوامل میں سب سے واضح ہے۔ نقد کرنے والوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ راوی کی زندگی کے تمام مراحل کو دیکھا ہے۔ کہ کیا راوی کا ضبط ایک جیسا رہا ہے یا کبھی کبھار اس میں خلل ہوتا رہا ہے۔

ائمہ حدیث نے یہ بھی فرق کیا ہے کہ اس کا ایک شہر میں ضبط یہ تھا اور دوسرے شہر میں یہ ہو گیا ہے۔ ایک شیخ کے ہاں اس کا ضبط یہ تھا اور دوسرے شیخ کے ہاں اس کا ضبط یہ ہو گیا ہے حتی کہ بڑھاپے، کمزوری، ڈر، نافرمانی، اور کتابوں کے جل جانے کا بھی انکار نہیں کیا اور نہ ہی کتابوں کے ضیاع کا اعتبار کیا ہے۔ اسی طرح منصب کے بدلنے پر جو نقص یا پختگی کا اثر پڑا ہے وہ بھی بیان کیا ہے۔ اور یہ ابن حزم کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ وہ ایک ہی راوی کے کمزور سے پختہ یا اس کے الٹ ہونے پر اثرات کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں جسکی حدیث کو ہم ٹھکرا دیں اس کی کسی بھی دوسری روایت کو قبول نہیں کریں گے اور جس کی کوئی دلیل نہیں اس کی کوئی حدیث نہیں ٹھکرائیں گے۔[18] اسی طرح امام ابن حزم راویوں کے درمیان فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی غلط کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں فلاں کی روایت اس کے قوی ہونے کی وجہ سے معتبر ہے فلاں کی روایت سے کیونکہ وہ کمزور ہے۔[19]

اس سے یہ پتہ چلا کے راویوں کی بھی اقسام ہیں اور ضبط کے بھی درجات ہیں۔ اور ابن رجب کہتے ہیں یہ بات یاد کر لو کے راوی کی مختلف اقسام ہیں ان میں بعض وہ ہیں جن پر جھوٹ کا الزام ہے اور بعض وہ ہیں جن پر ان کے سوء حفظ[20] اور غافل ہونے کی وجہ سے احادیث غالب آگئی ہیں۔ اور یہ دونوں قسمیں متروک ہیں۔[21] تیسری قسم یہ ہے کہ صادق اور حافظ راوی جن سے کبھی کبھار وہم صادر ہو جاتا ہے یہ بلا اتفاق ثقات ہیں اور ان کی حدیث کو لیا جائے گا۔ اور چوتھی قسم کے راوی تو صادق اور حافظ ہیں لیکن ان کی احادیث میں وہم بہت زیادہ ہے۔ لیکن وہ وہم ان احادیث پر غالب نہیں۔ یہی وہ قسم ہے جس کا امام ترمذی نے ذکر کیا ہے اور یحی بن سعید القطان کہتے ہیں کہ انھوں نے اس طبقے کی حدیث لینا چھوڑ دی تھی۔ لیکن ابن مبارک، ابن حدی وغیر اس طبقے کی حدیث لیتے تھے۔[22] امام حاکم کہتے ہیں کہ:

احادیث نقل کرنے والے ائمہ نے حافظ، ثقہ، صادق اور متقین کے درمیان فرق کر دیا ہے اور جرح وتعدیل میں رسول اللہ

ﷺ اور لوگوں پر جھوٹ بولنے والے میں فرق کر دیا ہے۔ شیوخ سے ملتے وقت جھوٹ، اسی طرح وہم، برا حافظہ اور متہم بالروایہ، متہم بالدین اور صادق جو اکثر کو امین سے روایات کرتا ہے فرق کر دیا ہے "[23]

امام ذھبی نے فرمایا:

"عدالت کی شرط راوی میں گواہ کی طرح لگائی جاتی ہے۔ اور ثقہ راوی ضبط اور اتقان کی وجہ سے باقیوں سے ممتاز ہوتا ہے "[24]

حفاظ کے کچھ مراتب ہوتے ہیں۔ صحیح کے بھی مراتب ہوتے ہیں اور ثقہ کے بھی مراتب ہوتے ہیں۔ پس جس نے تھوڑی بہت دخل اندازی کی وہ راوی نہیں اور وہ اس میں جرح کرنے والے کی طرح نہیں اور جس نے اسکے سوء حفظ کے بارے میں بات کی وہ اس کو ضعیف کہنے والے کی طرح نہیں ہے۔[25]

ابن مھدی کی مشہور عبارت ہے جس کو ابن عبد البر وغیرہ نے ذکر کیا ہے جو کے ثقہ اور صدوق کے درمیان فرق ہے۔ جب ان سے خلدہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ ثقہ ہے؟ تو کہا وہ صدوق ہے مامون سے بہترین ہے ثقہ تو شعبہ اور سفیان ہے۔ لیکن ابن عبد البر کی وہ تعلیق جو انہوں نے ابن مہدی کے کلام پر کی ہے پتا چلتا ہے وہ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے کہا کہ ابو عمر نے کہا:

لفظوں کے اختیار میں اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اور جو تاویلات ہیں وہ بھی خواہشات پر مبنی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن عبد البر کے ہاں ثقہ اور صدوق میں فرق نہیں ہے۔ اور اس کا ابن سیرین پر اعتراض کرنا بلاوجہ ہے۔ ابو خلدہ نے اس پر ہی یہ الفاظ پڑھے ہیں تاکہ اس کو ترجمہ کرنے والے صراحتاً ثقہ ہی کہیں۔[26] اسی لیے امام سخاوی نے فرمایا:

"اس ضمن میں ابن عبد البرؒ کی بات ابن مہدیؒ کے کلام کو دھوکہ نہیں دیتی لا معنی لہ منہ اختیار للفظ تو پتا چلا کہ ابو خلدہ ان کے ہاں ثقہ ہے جس ترح امام ترمذی نے اس کی تشریح کی ہے۔ انہوں نے کہا یہ تمام محدثین کے ہاں ثقہ ہیں۔ اور اسکے مشار الیہ استدلال کو منع نہیں کرتا "[27]

گویا امام سخاوی نے تسلیم کیا ہے ابن عبد البرؒ کے اعتراض کو اور ساتھ ہی ابن مہدی کے کلام کو بھی درست مانا ہے۔ جو دو کلموں میں استدلال کے وقت ہے۔ ثقہ اور صدوق اگرچہ یہ مطلق توثیق میں مشترک ہیں؛

ابن عبد البرؒ جب اس جیسی تفریق کی نفی کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حفظ اور اتقان کے اعتبار سے ثقات کے مراتب میں فرق کرتے ہیں۔ ان کی کتاب ان تطبیقات سے بھری ہوئی ہے جو تفریق پر دلالت کرتی ہیں۔ انہی چیزوں میں سے ان کا قول ابی اسحاق کے ترجمے میں ہے کہ ابی اسحاق سے بڑے بڑے روایت کرتے ہیں جیسا کہ قتادہ، اعمش، سلیمان التیمی، منصور بن معتمر اور شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ان کے علاوہ زہیر بن معاویہ اور زاہرہ اور ان کے علاوہ جریر، ابو عوانہ، ابو بکر بن عیاش وغیرہ۔[28]

ابو عمر کے تعدیل کے الفاظ پر غور وفکر کرنے سے ہمیں اس حقیقت کی تائید ملتی ہے یعنی ان کے اقوال میں سے ہے کہ زھری اور عروہ بن زبیر کا حفظ واتقان میں مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ امام مالک اور دوسروں سے مروی ہے کہ بحثیت حفظ اور اتقان میں حدیث میں مخالفت کرنے والے کا ان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یحی بن سعید القطان سے مروی ہے جو اس کی مخالفت کرتا ہے حفظ، اتقان اور امامت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ داؤد بن عامر کے بارے میں ہے کہ وہ ثقہ ہے لیکن ابن شہاب، ابن المنکدر ، عمرو بن دینار سے نہیں مل سکتا یعنی ان کے مقابل نہیں ہے۔ اور اسی طرح کہا اسحاق بن راشد کے بارے میں کہ اگرچہ وہ ثقہ ہے لیکن معمر، مالک، ابن عیینہ، یحی بن سعید کے مقابلے میں اس کی طرف نہیں جھکا جاسکتا۔ ابن شہاب، عمرو بن دینار، ابن المنکدر کے بارے میں ہے کہ حفظ و اتقان میں ان کی مثال نہیں ہے۔ جس طرح ابن عبد البر نے راویوں کے درمیان تفاضیل کے اسلوب بیان کئے ہیں تو بعض راویوں کی فضیلت کو توثیق کے مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں فلاں فلاں سے زیادہ ثابت ہے یا زیادہ حافظ ہے۔ مثال کے طور پر سفیان بن عیینہ زیادہ ثابت اور زیادہ حافظ ہے عبد العزیز بن ابی داؤد سے، اور عبد اللہ بن عمر زیادہ ثابت ہے ہشیم سے، اور محمد بن عقبہ زیادہ ثابت ہے اپنے بھائی موسیٰ سے اور اس کے علاوہ بھی کئی مثالیں موجود ہیں جو اس فکر کی ترجمانی کرتی ہیں۔

ابن عبد البر کے ہاں راوی کے ضبط کے عناصر:

ابن عبد البر اس بات پر ناقدین کے ساتھ متفق ہیں کہ بلند درجہ جو ثقہ راوی کے لئے ضروری ہے کہ عدالت اور ضبط کی شرط کے ساتھ اس کی حدیث قبول کی جائے گی۔ پھر اس کو طریقہ اور حکم سمجھا جائے گا اللہ کے دین میں جس طرح کے باقی شروط میں بھی اتقان کرتے ہیں جو کہ وہ پوری کی پوری راوی میں پائی جاتیں ہیں تا کہ ادا کے وقت اس کا ضبط مکمل ہو۔ عین ممکن ہے کی اس کے چھپے عناصر بنائے جائیں:

- حافظ اپنے حفظ سے بیان کرے
- اپنی کتابت میں ضابط ہو کتاب سے بیان کرے
- معنی کا گھیر اؤ کرنے والی چیزوں کو جاننے والا ہو
- بیدار مغز ہو غافل اور سست نہ ہو
- حدیث بالحروف بیان کرے اگرچہ وہ اھل علم معرفہ میں نہ ہو۔ اگر اھل فہم میں ہے تو جائز ہے۔ کہ وہ حدیث بمعنی بیان کر دے اس کے باوجود تمام کے یاں حدیث کی ادائیگی مستحب ہے
- تدلیس سے بچا ہوا ہو

ابو عمر بھی یہی کہتے ہیں کہ حدیث اور فقہ کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس محدث کی حدیث قبول کی جائے گی اور اس کی حدیث دلیل بنے گی اور دین میں اس کو طریقہ اور حکم بنایا جائے گا جو حفاظ ہو، اپنے حافظے سے بیان کرے، معنی کے اود گرد کو جاننے والا ہو ، کتاب پر پختہ ہو، ہر چیز کو صحیح بیان کرے ، ہوشیار ہو غافل نہ ہو، یہ تمام کے تمام انکے لیے مستحب ہے کہ حدیث بالجرات بیان

کریں۔ کیونکہ وہ سلامتی والے ہیں۔ اگر اھل علم از معرفہ سے ہے تو جائز ہے کہ حدیث بالمعنی بیان کرے۔ اگر ایسا نہیں تو جائز نہیں اور اس کے علاوہ دین میں ثقہ ہو، گواہی دینے والا ہو۔ جب ایسا ہو گا تو تدلیس میں پاک ہو گا۔[29]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ متفق علیہ قضیہ ہے جس طرح ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ تمام شرائط یا ان میں سے اکثر جو مصطلح[30] کی کتابوں میں موجود ہے جس طرح واضح ہے کہ جس نے سب سے پہلے اشارہ کیا وہ امام شافعی ہے جنہوں نے الرسالہ کے اندر یہ بات لکھی۔ اس کے علاوہ عناصر میں سے ایک عنصر ایسا ہے جس میں اختلاف[31] ہے اور اس کو ابن حبان نے فقہ الراوی کے نام سے ظاہر کیا ہے اور ابن عبد البر نے الفہم المعرفہ کے نام واضح کیا ہے۔ اگرچہ ابو عمر نے اس کی شرط لگانے میں تسہل اختیار کیا ہے۔ اور مشکل کے وقت حدیث کے الفاظ کو ہی لینا کافی سمجھا ہے۔ اور ابن کثیر نے اشارہ کیا ہے کہ فقہ الراوی کی شرط کا نہ ہونا اسی پر سب کا چلنا ہے۔[32]

دوسری جگہ ابن عبد البر نے حروف حدیث کو ہی لانے کا جائز ذکر کیا ہے اور استدلال کیا ہے مقید نہ ہونے کا ابن شہاب کی حدیث کے ساتھ تعلق ہے۔ اور ان کے ساتھیوں کے اختلاف کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو یہ سند ابن عمر یا اس کے نیچے والے راوی کی وجہ سے ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی احادیث کے الفاظ ان کے رتبے کے مطابق لانا۔ اور میرا خیال ہے ابن عمر کا ورع ہے۔ اور اسی پر علماء نے کہا ہے کہ حدیث بالمعنی کو بیان کرنا الفاظ کے علاوہ ہر معنی جانتے ہیں۔ بذریہ نص منقول ہے اس میں سے ایک جماعت اور ان سے جنہوں نے ابن شہاب کی حدیث پر غور و فکر کیا ہے اور اس کی مثل۔ اور اس کے اصحاب کا ان پر اختلاف کرنا حدیثوں کے ستون ہیں کہ ان کا یہی نظریہ ہے جو ہم نے کہا۔[33]

جس طرح ابن عبد البر نے ضبط راوی کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

- ظاھری والمتعلق باللغۃ
- الباطنی والمتعلق بالفقہ

اسی تقسیم کی متعلق ابن الاثیر نے اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح دو اور قسمیں بھی ضبط کی بیان کیں ہیں:

- ضبط الصدر
- ضبط الکتاب

اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کو بعض راوی کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ ابن معمر بن راشد سے بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

> ابن شہاب سے روایت کرنے میں اور بہترین نقل کرنے میں وہ ہیں جنہوں نے ان سے یمن میں ان کی کتابوں سے نقل کیا ہے کیونکہ عراق میں ان کے حفظ میں احادیث بیان کرنے میں غلطیاں واقع ہو گئیں تھیں۔[34]

اور عبد اللہ بن لھیعۃ کے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> انہوں نے ان سے ان کی کتابیں جلنے کے بعد سنا ہے کہ وہ اپنے حافظے سے لکھواتے تھے اور غلطی کرتے تھے

اور اختلاط کر جاتے تھے۔[35]

جہالت کے اثبات میں علامہ ابن عبد البرؒ کا منہج:

ذیل میں علامہ ابن عبد البرؒ کا رواۃ میں جہالت کی تحقیق کے لیے منہج پیش کیا جارہا ہے؛

محدثین اور ابن عبد البرؒ کے نزدیک مجہول کی تعریف:

ابن الصلاح نے مجہول راویوں کی تین اقسام بنائی ہیں اور اس تقسیم میں جہالت کے شدید ہونے اور ہلکا ہونے کی رعایت کی گئی ہے:

قسم اول: مجہول العین اور یہ وہ ہیں جن سے فقط ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

قسم ثانی: ظاہری اور باطنی طور پر عدالت کے اندر مجہول ہوں۔

قسم ثالث: باطنی طور پر عدالت میں مجہول ہوں اگرچہ وہ ظاہر میں عادل ہوں اور یہ لوگ "مستور "یعنی مخفی حالت والے کہلاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے آخری دو قسموں کے بارے میں بحث کی ہے اور کہا" پس اگر نام ذکر کر دیا جائے اور وہ ایک کے ساتھ تنہا ہو تو مجہول العین ہے یا دو اور اس سے زیادہ کے ساتھ منفرد ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور اس کو "مستور" کہتے ہیں۔[36]

اور مجہول راوی کے حکم کے بارے میں فرمایا کہ:

> "اس کی بیان کردہ حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس کی توثیق اس شخص کا غیر کرے جو اس سے منفرد ہو کہ صحیح بات یہی ہے اور اسی طرح وہ شخص جو اس سے روایت کرنے میں منفرد ہو جب کہ وہ اس کا اہل بھی ہو"[37]

مستور راوی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

> "ایک جماعت نے بغیر کسی قید کے اس کی روایت کو قبول کیا ہے اور جمہور نے اسے رد کیا ہے۔ اور تحقیقی بات یہی ہے کہ اس مستور وغیرہ کی روایت جس میں احتمال ہو اس پر رد و قبول کا حکم نہ لگایا جائے، بلکہ کہا جائے کہ یہ اپنی حالت کے ظاہر ہونے تک موقوف ہے، جیسا کہ امام الحرمینؒ نے یہ بات جزم کے ساتھ کہی ہے اور اس کے مثل ابن الصلاح کا قول ہے اس شخص کے بارے میں جس پر ایسی جرح کی گئی ہو جس کی تشریح نہ کی گئی ہو"[38]

ابن عبد البرؒ نے بعض مجہول اور مستور راویوں مخصوص اعتبارات کی بنا پر توثیق کی ہے اور معین شرائط کے ساتھ ان کی حدیث کو قبول کیا ہے۔ اور لیکن مجہول اور مستور کے بارے میں آپ کی ذکر کردہ تعریف کیا ہے اور کیا ان کے کلام میں اس تقسیم کے مثل کوئی بات وارد ہے اور دوسرے ناقدین کے اسالیب میں سے کسی کے اسلوب میں اس کے قرب وبعد کا کیا شمار اور انتہاء ہے؟ اور ابن عبد البر نے راویوں کی ایک جماعت کو جہالت کے ساتھ موصوف کیا ہے اور ان تمام راویوں میں وصف کو ذات اور حالت کے ساتھ

مقید کیے بغیر مطلق لائے ہیں، لیکن ان میں سے آپ کے بہت سے اطلاقات کا مقصد ذات کی جہالت ہے کیونکہ کچھ تراجم ایسے ہیں جن کو آپ مجہول کی تعریف کے بعد لائے ہیں جو کہ بعینہ وہی ہے جسے جمہور محدثین جہالت ذات پر بولتے ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک کے بعد جو آپ ابن عبد البرؒ نے "التمہید" میں ذکر کی ہیں فرمایا:

"یہ حدیث اسی سند کے ساتھ مروی ہے اس میں جعفر بن ابی وحشیۃ جن کا نام بشر ہے اس کے ساتھ منفرد ہے اور وہ ثقہ اور واسطی ہے اور رہا ابو عمیر بن انس، تو کہا گیا ہے کہ وہ انس بن مالک کے بیٹے ہیں اور ان کا نام عبد اللہ ہے اور اس کو ابو بشر کے علاوہ کسی نے بیان روایت نہیں کیا اور جو شخص اس طرح ہو پس وہ مجہول ہے اور اس سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی"[39]

"الاستغناء" میں ابو البیع بصری کے حالات میں کہتے ہیں:

"ان سے محمد بن عبد اللہ بن حوشب نے روایت بیان کی ہے اس کا نام اسباط ہے ابو عمر کہتے ہیں: ہر وہ شخص جس سے فقط ایک ہی راوی روایت کرے تو ان کے نزدیک مجہول ہے"[40]

اور اسی کتاب میں ابو عون بن ابو حازم کے حالات میں کہا:

"اس سے عبد اللہ بن جعفر المخرمی نے روایت کی ہے، ابو زرعہ الرازی سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا حالانکہ وہ مدنی ہے۔ ابو محمد بن ابو حاتم فرماتے ہیں: جب وہ اسے نہیں جانتے تھے تو انہوں نے اسے مجہول قرار دیا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس سے صرف ایک ہی راوی روایت کرے اور وہ اسی سے معروف ہو تو وہ محدثین کے نزدیک مجہول ہے جس سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی"[41]

"الانصاف" میں کہا ہے "بہر حال ابن عبد اللہ مغفل ان سے جہاں تک مجھے معلوم ہے ابو نعامہ قیس بن عبایہ نے روایت نقل کی ہے اور ان سے چونکہ فقط ایک شخص نے روایت کی ہے پس وہ محدثین کے نزدیک مجہول ہے اور مجہول کے ساتھ دلیل قائم نہیں ہوتی۔[42] اور کہا جو شخص فاطمہ کی اس حدیث کی طرف گیا ہے کہا: کہ نبہان مجہول شخص ہے جس سے صرف ابن شہاب نے روایت کی ہے۔[43] اور کہا: بہر حال زید ابو عیاش، سو کچھ فقہاء کا یہ خیال ہے کہ وہ مجہول ہے معروف نہیں ہے اور اس کا ذکر صرف اسی حدیث میں آیا ہے اور اس سے صرف عبد اللہ بن یزید نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[44] اور اس جگہ ایک دوسرا امر بھی ہے جس ابن عبد البرؒ نے جہالت کے ساتھ حکم کو جوڑا ہے اور وہ ہے "قلت حدیث"۔ اور وہ یہ ہے کہ راوی کے بارے میں ایک دو احادیث کے علاوہ کچھ منقول نہ ہو۔ فرمایا:

"اور عمار، حجاج، یحییٰ یہ سب مجہول ہے کہ وہ اس کے علاوہ کو نہیں جانتے"[45]

یعنی اس حدیث کے غیر کو جسے وہ ان کے لیے لایا ہے۔ اور فرمایا "ابو نضر یہ صحابہ اور تابعین میں مجہول ہے اور ایسا مجہول ہے کہ اس خبر روایت کے علاوہ معروف نہیں ہے۔"[46] اور نبہان مولیٰ ام سلمہ کے بارے میں فرمایا:

"یہ علم کے اٹھانے میں معروف نہیں ہے اور یہ اس حدیث اور ایک دوسری حدیث کے علاوہ کوئی معروف نہیں ہے"[47]

اور فرمایا: "مخدجی مجہول ہے اور اس حدیث کے علاوہ معروف نہیں ہے"[48]

پس کیا جہالت صرف راوی کی قلت حدیث کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے یا اس کے ساتھ امر اول کو ملایا جانا ضروری ہے اور وہ یعنی امر اولیہ ہے کہ اس سے صرف ایک راوی روایت کرے؟

جو بات ابن عبد البرؒ کے فعل سے ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ راوی صرف راوی کا قلیل الحدیث ہونا ہی اس پر جہالت کا حکم لگانے کے لیے کافی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے وہ سابقہتین راوی جن کے بارے میں انہوں نے یہ ذکر کیا کہ وہ اس حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث کو نہیں جانتے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک سے زائد راوی ہیں، چنانچہ عمار بن سعد[49] اور یحیٰ بن ازہر[50] ان دو کے بارے میں محدثین نے تین سے زائد رواۃ کا تذکرہ کیا ہے اور حجاج ابن شداد[51] ان کے لیے تین کا ذکر کیا ہے اور نبہان المخزومی اس کے لیے ابن حجرؒ نے دو راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ بات سابقہ تصریحات میں گذر چکی ہے کہ ابن عبد البرؒ کے نزدیک مجہول وہ راوی ہے کہ جس سے فقط ایک راوی روایت کرے۔ بلکہ نیز عنقریب آئے گا کہ ایک سے زیادہ روایت کرنے کے ساتھ وہ جہالت اٹھ جاتی ہے اور معیّن شرائط کے ساتھ اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ ثبوت عدالت کے بارے میں آپ کا بیان گزر چکا ہے۔ تو پھر کیسے ہو گا کہ ان کے لیے ایک سے زیادہ راوی ہوں اور جہالت ان کو چمٹی رہے؟ اس کے جواب میں یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ اس بات کا ہونا ممکن ہے جسے ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے یعنی کہ ابن عبد البر کا راوی کا قلیل الحدیث یا کثیر الحدیث ہونے کا اعتبار کرنا اور نافع بن محمود الانصاری جنہیں امام ابن عبد البرؒ نے ۃ مجہول ہونے کے ساتھ موصوف کیا ہے۔[52]

امام ابن حجرؒ نے دو راویوں کا تذکرہ کیا ہے اور اسی لیے ان پر "مستور الحال" ہونے کا حکم ہو گا ہے۔ لیکن امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"کہ وہ نافع بن محمود الانصاری اس حدیث یعنی قراءت خلف الامام والی حدیث کے علاوہ معروف نہیں ہیں"[53]

شاید ابن عبد البرؒ نے اس حیثیت سے اس پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا ہے وگرنہ تو دو راویوں کے روایت کرنے سے ابن عبد البر اور دوسرے حضرات کے نزدیک جہالت اٹھ جاتی ہے۔ اور کبھی یہ بات کہی جاتی ہے: کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ابن عبد البر کا راوی کے قلیل الحدیث کا تذکرہ کرنا ایک ثانوی امر ہو اور اس وصف جہالت کی تاکید کرنے کے لیے ہو جو ان کے نزدیک صرف ایک راوی کی روایت کے ساتھ بطور بنیاد اور اساس کے ثابت ہو جاتا ہے؟ انتہائی وہ بات جو اس مقام میں کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابن عبد البرؒ

نے ان مختصر حالات میں مذکورہ شخصیات کے لیے ایک سے زیادہ روایوں پر اطلاع نہیں پائی اور بالخصوص سابقہ وجود یعنی ثبوتتو اس احتمال کی تاکید کررہا ہے جہاں آپ نے سعید بن سلمہ کے بارے میں یہ فرمایا:

"کہ جہاں تک میں جانتاہوں سعید بن سلمہ سے فقط صفوان بن سلیم نے روایت بیان کی ہے باقی اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں پھر انہوں نے پایااور ایک راوی ابو کثیر جلاح نے بھیان سے روایت کی ہے"[54]

یہ احتمال اس جیسے راوی کی حد تک تو مقبول ہے لیکن کسی راوی کے لیے تین راویوں سے زیادہ کا ہوناجیسا کہ عمار بن سعد کی حالت ہے تواس غفلت اور بھول کا احتمال کوئی امر بعید نہیں ہے اور بالخصوص جب کہ آپ ان جیسے امور میں بہت دقت سے کام لینے والے ہیں سوہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی راوی ک بارے میں فرماتے ہیں:

"بہر حال زید ابو عیاش اس کے بارے میں فقہاء کا خیال ہے کہ وہ مجہول ہے معروف نہیں ہے اور یہ کہ اس سے صرف عبد اللہ ابن یزید نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ایک دوسرے شخصیت نے کہا: تحقیق ان سے عمران بن ابو انس نے بھی روایت کی ہے۔"[55]

اسی طرح حجاج بن شداد جن کے بارے میں مجہول ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ ابن عبد البرؒ نے خود ذکر کیا ہے کہ ابن لہیعہ اور یحییٰ بن ازہر نے ان سے روایت نقل کی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی زید ابو عیاش کا مجہول ہونا نہیں اٹھتا۔اور کیسے مغیرہ بن ابو بردہ کے بارے میں شک کیا جاسکتا ہے پس آپ فرماتے ہیں:

"کہا گیا ہے کہ وہمغیرہ بن ابو بردہسعید بن سلمہ کی طرح علم کے اٹھانے میں غیر معروف ہے یعنی کوئی بڑی اور مستند شخصیت نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ مجہول نہیں ہے۔"[56]

کیونکہ امام ابن حجرؒ نے اس کے لیے آٹھ رایوں کا تذکرہ کیا ہے۔[57] اور اگر معاملہ راویوں کی تعداد پر ہی بند ہوتا تو آپ مغیرہ کے بارے میں شک نہ کرتے یعنی اقل کی بنیاد پر مغیرہ سے مجہولیت کے اٹھ جانے کی حیثیت سے۔اور یہ بات نہ کہی جائے کہ امام ابن عبد البر کا مقصود اس جگہ حالت کا مجہول ہونا ہے نہ کہ ذات کا کیونکہ آپ نے اپنی کلام اور تعریفات میں اس کے تذکرہ کا ارادہ نہیں کیا اور اس لیے کہ آپ کی تصریحات مجہول مطلق کے بارے اس احتمال کی نفی کرتی ہیں۔پس تحقیق اس شخص کا مجہول ہونا جاتا رہے گا جس کے لیے ایک یادوراوی ہوں بلکہ آپ ان میں سے بعض کے لیے عدالت کو ثابت کر دیتے ہیں اور آپ مجہول ہونا ان اشخاص کے لیے ثابت کر دیتے ہیں جن کے لیے دو اور تین سے زائد راوی ہوں جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا۔جیسا کہ اس مفروضہ کی بنا پر آپ کا مقصود واضح ہونا مشکل معاملہ ہے کیونکہ کبھی ذات کی جہالت مقصود ہوتی ہے اور کبھی حالت کا مجہول ہونا مقصود ہوتا ہے۔حالانکہ امر واقعی یہ ہے کہ بعض راویوں سے جہالت کا اٹھ جانا اور ان کے لیے جان پہچان کے حاصل ہونے کو ثابت کرنا یہ نیز اس احتمال کو توڑ دیتا ہے اس بنا پر جو کہ میرے نزدیک راجح ہے یعنی کہ آپ کے نزدیک مجہول ہونے کا ایک درجہ ہے۔اور راوی کا قلیل الحدیث ہونا یہ ایسا

امر ہے جس پر بعض اہل علم نے صراحت کی ہے اور انہوں نے اس کو ایک راوی کے مجہول ہونے کی حد بندی کے مسئلہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

خطیب البغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"محدثین کے نزدیک مجہول ہر وہ شخص ہے جو فی ذاتہ طلب علم میں مشہور نہ ہو اور اہل علم اس کو جانتے ہوں اور جس کی حدیث فقط ایک راوی کی جہت سے معروف ہو"[58]

جب ابن رجبؒ راویوں کے اس مجموعہ کو جنہیں ابن مدینیؒ نے اختیار کیا ہے لائے ہیں تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلسل اور لگاتار نہیں ہے کیونکہ کبھی وہ کسی راوی کے بارے میں مجہول ہونے کا وصف بیان کرتے ہیں حالانکہ دو راوی اس سے روایت کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے کا وصف معروف ہونا بیان کرتے ہیں اور اس سے بھی دو ہی راوی روایت بیان کر رہے ہوتے ہیں میں کہتا ہوں کہ جب ابن رجب اس کو لائے ہیں تو ابن مدینی کے صنیعمل کے بعد اپنے اس قول میں لائے ہیں:

"اور ظاہر بات یہ ہے کہ اہل علم کے درمیان آدمی کا مشہور ہونا اور اس کی حدیث کی بہتات وغیرہ کو دیکھا جائے گا اور محض ایک جماعت کے اس سے روایت کرنا نہیں دیکھا جائے گا"[59]

اسی طرح ابو حاتم الرازی نے اسحاق بن اسید الخراسانی کے بارے میں کہا ہے کہ:

" وہ مشہور نہیں ہے باوجود کہ ان سے اہل مصر کی ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے۔ لیکن علماء کے درمیان ان کی حدیث مشہور نہیں ہے"[60]

اس ساتھ ابن رجب کے کلام نے کچھ ان اشکالات پر دلالت کی ہے جو محدثین کے اطلاقات میں موجود ہیں مگر وہ میری نظر میں بیمار کو شفاء یاب نہیں کرتے اور یہ واضح سبب کی بنا پر ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسے راویوں کو پایا ہے جن کی روایات کم ہوں اور ان سے لینے والے بھی کم ہوں لیکن اس کے باوجود بھی وہ ثقہ قرار دے دیتے ہیں۔ اور وہ ابن عبد البر جو ہماری مراد ہیں وہ یہ ہے کہ مجہول کے بارے میں ہم ان کا اسلوب جاننا چاہ رہے ہیں "یعنی راوی اور مروی کی قلت کا مخل ہونا" جو کہ اس کی اس حالت کی توثیق کرتا ہے جیسا کہ مستور جن کی ذات یا حالت چھپی ہوئی ہو اور وُحدان کے بارے میں گزر چکا ہے۔

کچھ مثالیں ہیں جن میں ابن عبد البرؒ وغیرہ جیسے ناقدین نے کچھ اس طرح کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے:

- حرام بن سعد بن محیصہ: ابن سعد، ابن حبان، ابن عبد البر، ذہبی اور ابن حجر رحمہم اللہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے ابن عبد البر نے مؤطا میں ابن شہاب کی ان سے روایت کی دو احادیث ذکر کی ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں "یہ مجہول ہے اس سے صرف زہری نے روایت بیان کی ہے اور ہم زہری کی اس سے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے اور ابن سعد اور ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے: کہ یہ قلیل الروایہ ہے۔[61]

- حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف: عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے ان کی تصحیح کی ہے یعنی ان کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن عبد البرؒ نے ان کو علم میں مشہور لوگوں کی ایک جماعت کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ ابن سعد فرماتے ہیں: کہ یہ حکیم بن حکیم بن عباد قلیل الحدیث راوی ہیں اور محدثین ان کی بیان کردہ حدیث سے استدلال نہیں کرتے۔ اور ابن القطان کہتے ہیں: اس کی عدالت معروف نہیں ہے۔ امام ذہبی نے ان کی حدیث جو حسن قرار دیا ہے اور ابن حجر کہتے ہیں: یہ صدوق ہیں۔ اور محدثین نے ان کے پانچ راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔[62]
- داؤد بن خالد بن دینار: عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابن عدی کہتے ہیں: مجھے امید ہے کہ انکی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: مجہول ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ ابن عبد البرؒ نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور ابن حجر فرماتے ہیں: یہ صدوق ہیں ان کی ایک حدیث اور تین راوی ہیں۔[63]
- سعد بن عبید ابو عبید: ناقدین کی ایک جماعت نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے جن میں ابن عبد البرؒ بھی ہیں ابن سعد کہتے ہیں ان کی کچھ احادیث ہیں اور مزیؒ نے ان کے دو راوی ذکر کیے ہیں۔[64]
- عبد اللہ بن فروخ القرشی التیمی: ابن عبد البرؒ کہتے ہیں: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ذہبی اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔ امام ذہبی کے قول کے مطابق نسائیؒ کے نزدیک کتب میں ان کی فقط ایک حدیث ہے۔ اور ان سے صرف دو لوگوں نے روایت کی ہے۔[65]

مقبول کی صفات کا بیان:

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

"الذی اجتمع علیہ ائمۃ الحدیث والفقہ فی حال المحدث الذی یقبل نقلہ ویحتج بحدیثہ ویجعل سنۃ وحکما فی دین اللہ ھو"

> "کہ جس بات پر محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے اس محدث کی حالت کے بارے میں جس کی روایت قبول کی جاتی ہے اور اس کی حدیث سے دلیل پکڑی جاتی ہے اور اسے سنت اور اللہ کے دین کے معاملے میں فیصل قرار دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں"

1. اگر وہ اپنے حفظ کی بنا پر روایت کر رہا ہے تو حافظ ہو۔
2. کہ وہ انتقال معانی ومفاہیم کو جاننے والا ہو۔
3. اپنی لکھی ہوئی تحریر کو ضبط رکھنے والا ہو اگر وہ کتاب سے بیان کرے، بات کو اس کی صحیح توجیہ تک پہنچا دے۔
4. بیدار مغز اور چست ہو غافل نہ ہو۔

5. اور وہ سب مستحب جانتے ہیں کہ وہ حدیث کو اس کے الفاظ سے ادا کرے کیونکہ یہ طریقہ اس کے لیے زیادہ محفوظ اور سلامتی والا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اہل علم و معرفت میں سے ہے تو اس کے لیے حدیث کو مفہوم اور معنیٰ کے اعتبار سے بیان کرنا صحیح ہے اور اگر اس طرح نہیں ہے اور تو اس کے لیے حدیث کی روایت معنی کے اعتبار سے بیان کرنا درست نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ ایک حلال امر کو حرام کی طرف منتقل کر دے۔ ان مذکورہ شرائط کے ساتھ جو ہم نے بیان کی ہیں وہ اس بات کا بھی محتاج ہے:

کہ اپنے دین کے معاملہ میں ثقہ ہو، عادل اور لوگوں کے ہاں مقبول اور پسندیدہ گواہی والا ہو۔ جب وہ ان مذکورہ صفات کا مالک ہو اور تدلیس سے محفوظ ہو تو پھر وہ جو نقل کرے اور دین کے معاملہ میں جن آثار کا حامل ہو ان میں وہ حجت ہے۔ فرمایا: کبھی محدث عادل ومقبول گواہی والا ہوتا ہے فرمایا: کبھی محدث عادل اور مقبول گواہی والا ہوتا ہے لیکن وہ اس معنیٰ و مفہوم کو نہیں جانتا جس کا وہ حامل ہوتا ہے تو پھر اس کی نقل کردہ بات قابل احتجاج نہیں۔[66] مزید فرمایا: اور عادل راوی کی خبر میں شرط اس بنا پر جو ہم بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ وہ اپنی مثل سے سماع اور اتصال کے ساتھ روایت بیان کرے یہاں تک کہ وہ بات نبی کریم ﷺ تک جا ملے۔[67]

ابن عبد البرؒ اور تدلیس کے سبب جرح کا محل:

تدلیس کے بارے میں جن محدثین علماء نے اس کی اجازت دی ہے ان کے قبول کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کسی ایسے شیخ سے حدیث بیان کرے جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہے، اور اس نے اس سے ایسی چیز کا سماع کیا ہے جو اس نے اس سے نہیں سنی بلکہ وہ بات اس نے کسی اور سے سنی ہے اور اسے اس بات کے اسی شیخ سے سننے کا وہم ہو۔ اور یہ فقط ثقہ سے ہی ہو سکتا ہے اور اگر اس نے کسی غیر ثقہ سے تدلس کی تو یہ تدلیس محدثین کی جماعت کے نزدیک مذموم ہے۔ اور اس طرح ہے اگر اس نے کسی ایسے شخص سے تدلیس کی جس سے اس سے سماع نہیں کیا تو تحقیق اس نے تدلیس کی اس حد سے تجاوز کیا جس کی ان اہل علم سے رخصت دی ہے جو اس پر نکیر کرتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں اس کو قابل تعریف نہیں ٹھہراتے۔[68] امام ابن عبد البرؒ کے نزدیک کون عادل ہے؟

اس سلسلہ میں فرمایا کہ ہر حامل علم جو اس کے ساتھ لگاؤ اور دلچسپی میں معروف ہو پس وہ عادل ہے اور اس کا معاملہ ہمیشہ عدالت پر ہی محمول رہے گا یہاں تک کہ اس کی حالت کے بارے میں اس پر جرح واضح ہو جائے یا اس کی اغلاط کا کثیر ہونا واضح ہو جائے بوجہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے: "يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله"[69]

کہ اس علم دین علم کے حامل ہر ناخلف کے بعد ان کے عادل لوگ ہوں گے۔

خلاصہ بحث:

علامہ ابن عبد البرؒ کا طرز تحقیق اور اسلوب استدلال تمسک بالکتاب والسنۃ اور اتباع دلیل ہی ہے، کتاب و سنت، اجماع و قیاس صحیح کے مقابلے میں کسی کے اجتہاد کو قبول نہیں کرتے، چاہے جتنا بڑا عالم دین کیوں نہ ہو، اور جس مرضی مسلک و مذہب سے تعلق رکھتا ہو، ہاں البتہ مرجوح اقوال کی تردید میں ان کا اسلوب خالص عالمانہ اور منصفانہ ہے، شاذ قسم کی آراء کو چھوڑ کر ہر قول کی مناسب توجیہ

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابن حزم اور ابن عبد البر دونوں تقریبا ایک ہی علاقے اور زمانے کی دو عبقری شخصیات ہیں، لیکن دونوں کے طرز استدلال اور اسلوب تحقیق و تنقید میں بہت فرق ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کے نزدیک عدالت قبول روایت کے سلسہ میں بنیادی امر ہے۔ اور ضبط بھی راوی سے قبول روایت میں بہت اہم ہے کہ دونوں امور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ اور جرح یا کسی اور عیب کا نہ پایا جانا راوی کی عدالت کو ثابت نہیں کرتا ہے اور حفظ کے سلسلہ میں صنف بھی ضروری ہے اِس بارے میں ابن عبد البر مکمل طور پر ایسے شخص کی روایت کو ساقط نہیں کرتے ہیں بلکہ ایسے شخص سے حدیث لینے کے سلسلہ میں حسب ضرورت اجتہاد پر انقاد کرتے ہیں۔

[1] حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب جلبی القسطنطینی المشہور باسم الحاج، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مکتبہ المثنی، بغداد 941ء، 1، 582

[2] الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷، ج18، ص153

[3] ابن بشکوال، الصلۃ، ج2، ص642

[4] الضبی، احمد بن یحی، بغیۃ الملتمس، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1997ء، ص289

[5] ایضاً

[6] الجامع، ج2، ص162

[7] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج2، ص33-34

[8] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج2، ص34

[9] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج20، ص183

ایضا، ج20، ص183

[10] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر، الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ، دار ابن تیمیہ للنشر والتوزیع والاعلام، ریاض، سعودی عرب، الطبعۃ الاولی: 1405ھ - 1985ء، ج1، ص452-455

[11] قاعدۃ فی الجرح والتعدیل، ص24

[12] المیزان، ج4، ص343

[13] التھذیب، ج4، ص288

[14] الجامع، ج2، ص152

[15] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج30، ص243

[16] الملحق رقم ص135

[17] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج2، ص102

[18] فتح المغیث، ج1، ص337

[19] ابن حزم، المحلی، ج1، ص143

[20] شرح علل ابن رجب، ص120

[21] ایضا: ص246

[22] شرح علل ابن رجب، ص120

[23] المدخل الی معرفۃ الصحیحین، ج1، ص28

[24] الموقظۃ، ص67-68

[25] ایضا: ص81

[26] التھذیب، ج3، ص88

[27] فتح المغیث، ج1، ص368

[28] الاستغناء، ج1، ص386-387

[29] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج1، ص28

[30] مقدمہ ابن صلاح، ص218

[31] ابن حبان ومنہجہ، ج3، ص939

[32] فتح المغیث، ج1، ص290

[33] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج6، ص63

[34] ایضاً

[35] ایضاً

36 ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن الشہرزوری، ابو عمرو، معرفۃ انواع علم الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ص224-223

37 شرح النخبۃ100

38 شرح النخبۃ101

39 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، المغرب، ج14، ص360

40 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر، الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ، دار ابن تیمیہ للنشر والتوزیع والاعلام، ریاض، سعودی عرب، الطبعۃ الاولی:1405ھ- 1985ء، ج2، ص1013

41 ایضا، ج3، ص1446

42 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر، الانصاف فیما بین المسلمین فی قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی فاتحۃ الکتاب، اضواء السلف، سعودی عرب، الطبعۃ الاولیٰ:1417ھ- 1997ء، ص166

43 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص155

44 ایضا، ج19، ص173

45 ایضا، ج5، ص224- 223

46 ایضا، ج13، ص87

47 ایضا، ج16، ص237- 236

48 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج8، ص86

49 ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابو الفضل شہاب الدین، تہذیب التہذیب، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن، ہند، الطبعۃ الاولیٰ، ج7، ص402- 401

50 ایضا، ج11، ص176

51 ایضا، ج2، ص202

52 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج11، ص46

53 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص577

54 ایضا، ج16، ص217

55 ایضا، ج19، ص173- 172

56 ایضا، ج16، ص218

57 ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابو الفضل شہاب الدین، تہذیب التہذیب، ج10، ص256

58 خطیب البغدادی، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ص88

59 شرح علل الترمذی، ص108-107

60 ایضا

61 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص92

62 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص108

63 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص135

64 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی، ابو عمر، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج19، ص174

65 ایضاً: 337

66 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج1، ص28

67 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج1، ص29

68 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج1، ص30

69 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید، ج1، ص28